پریم چند کے ناولوں میں سیاسی مباحث

محمد ثقلین

عزیزہ سعید

Abstract:

Literature is a black and white documentry of human life with all its attractions and repulsions. Politics has always been a prominent aspect and an inseparable part of human history. The impact of politics can be explored both explicitly and implicitly from the literary sphere. A literary figure cannot keep him self alienated and aloof from the politics of his age. Thus, literature mirrors the political concerns of its age. The article aims at tracing the relationship between literature and politics.

Munshi Prem Chand was well acquanted with the politics of sub-continent. Indians had started the movement to liberate their colonised country at the end of 18th century. The literary pieces of Munshi Prem Chand expose the deprivations of politically oppressed segments of society. The novels portary the conflict between the landowners and the serfs, the industrialists and the workers. The article attempts to explore the political discussions prevalent in his novels like Gosha-e-Aafiat, Nirmila, Ghaban, Gowdan and Maydan-e-Amal.

پریم چند کے ناولوں کے تمام کردار استحصالی طاقتوں کے خلاف بر سر پیکار نظر آتے ہیں۔ غیر ملکی سامراج کے دور میں ہندوستانی دیہاتی کسان کی سچی تصویر کشی ہمیں پریم چند کے ہاں نظر آتی ہے۔ پریم چند سماج کی استحصالی فضا کو ناول میں جب پیش کرتے ہیں اُس کا خام مواد حقیقی زندگی سے لیتے ہیں۔ پریم چند نے محنت کش طبقے اور مفلوک الحال کسان کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ وہ سماجی اور معاشی بد حالی کو اس عہد کے سیاسی جبر کے پس منظر میں بے نقاب کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتداء کے ساتھ ہی اُردو ناول میں پریم چند کا عہد شروع ہوتا ہے اُردو ناول ایک چست میں ترقی کی کئی منزلیں طے کر لیتی ہے۔ پریم چند نے سرشار اور شرر کی روایت سے پورا پورا

فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی ناولوں میں حتی المقدور حقیقت نگاری کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ ان کے پاس زندگی کا گہرا تجربہ تھا اور ہندوستان کے دیہی پس منظر سے انہیں غیر معمولی واقفیت تھی۔ پریم چند سے پہلے ناول نگاروں نے فن کی جو روایت قائم کی تھی پریم چند نے نہ صرف وسعت دی بلکہ اپنی فنی بصیرت سے اسے ایک نیا مفہوم دیا اور اُسے ایسے امکانات کا حامل بنایا کہ اجتماعی اور انفرادی زندگی، فکر، احساس اور جذبے کی کوئی پیچیدگی اس کے لیے بیگانہ نہیں رہی۔ پریم چند کے ناول بہ یک وقت ٹالسٹائی کی وسیع النظری اور ڈکنز کی مردم شناسی کے حامل بھی ہیں اور مشرقی مزاج کو بھی اپنے باطن میں سمونے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ پریم چند نے سیاسی اور سماجی تحریکوں کی روح کو اپنے فن میں نمایاں جگہ دے کر قابل قدر کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ وہ اپنے ماحول کے مسائل سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے معاشی اور معاشرتی حقائق کو اپنے تنقیدی شعور کی روشنی میں پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ ان کے ناولوں میں سیاسی بیداری کی امنگیں بھی پائی جاتی ہیں اور استحصالی طبقہ کے لیے بغاوت بھی، سرکاری اہلکاروں کا تشدد اور عوام کی مظلومیت کا خاکہ انہوں نے مخصوص انداز میں کھینچا ہے اور طبقاتی کشمکش کے بد اثرات بھی واضح طور پر بیان کیے ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کی زبوں حالی ان کی طرح ان سے قبل کسی ناول نگار نے بیان نہیں کی۔ ان کے ناولوں میں ان کے عہد کے شب و روز کی مکمل عکاسی ملتی ہے۔

انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں آزادی کی تحریکیں کسی نہ کسی شکل میں اٹھارویں صدی کے آخر میں رونما ہونے لگی تھیں آزادی سے محبت ان تحریکوں کی قدر مشترک تھی اس دور کے پڑھے لکھے باشعور ہندوستانیوں کو اس بات کا احساس تھا کہ اپنا گھر چلانا وہ بھی جانتے ہیں صرف گوری اقوام والے ہی نہیں، ان کے سامنے برطانوی حکمرانوں کا لایا ہوا زمین کا بندوبست بھی تھا جس سے زمینداروں کی دولت بڑھ گئی تھی لیکن کسانوں کی حالت بگڑ گئی دیکھا جائے تو بعد میں ظاہر ہونے والی تمام سیاسی تحریکیں سماج سدھار تحریکوں سے اُبھری تھیں۔ اصلاحی تحریکوں نے ملک میں قومی بیداری کی فضا پیدا کر دی تھی لیکن یہ ایک محدود تصور سے آگے نہ بڑھ سکی۔ کانگریس جو ملک کی نمائندہ سیاسی جماعت تھی سامراجی حکومت کے زیر سایہ انگریزوں کے دامن تربیت میں پرورش پا رہی تھی۔ اس کی سیاسی بصیرت حکومت سے کامل وفاداری کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور اس کی سرگرمیاں مراعات کے لئے وہ تحریری اور تقریری عرض داشتیں تھیں جن کو وہ حاکم قوم کی دیانت اور منصف مزاجی کی قسم کھا کر پیش کرتی۔

انیسویں صدی کے آخری ایام میں جب مانیہ تلک اور اربندو گھوش جیسے ذی شعور افراد اس میدان میں آئے تو ملکی سیاست میں قوم پرستی کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔ تلک اور ان کے ساتھیوں نے

عوامی مسائل کی نمائندگی پر زور دیا۔ انہوں نے غیر ملکی سامراجی حکومت کے سامنے التجائیں کرنے کی بجائے سیاسی حقوق کے لئے عملی جدوجہد کا راستہ دکھایا۔

اس نئی سیاسی بیداری کا سب سے پہلا اور بڑا مظاہرہ تقسیم بنگال کی مخالفت کی صورت میں ہوا۔ نوجوان اور طالب علموں کا طبقہ اس تحریک میں ایک والہانہ جذبہ کے ساتھ حصہ لے رہا تھا بنگال میں غیر ملکی اشیا کے بائیکاٹ سے مقامی کاریگروں کے اس طبقے کو فائدہ پہنچا جو مدت سے بیکاری اور بد حالی کی زندگی بسر کر رہا تھا اس لئے وہ بھی حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہروں میں شریک ہو گیا۔ سامراجی حکمرانوں نے اس تحریک کو جبر و تشدد سے کچلنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور تیزی کے ساتھ زمین دوز طریقہ سے پھیلتی رہی آخر کار حکومت کو ہار ماننی پڑی پریم چند جس طرح کا ہندوستان دیکھنا چاہتے تھے اس کی ایک جھلک اس واقعے میں نظر آتی ہے۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں انگلستان کے صنعتی انقلاب کے بر صغیر میں کافی حد تک مثبت اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں بیوہ کی شادی کے حق میں اور ستی کے خلاف فضا تیار ہوئی، کار خانوں میں مزدوروں کو ہزاروں کی تعداد میں روزانہ یکجا ہونے کے مواقع ملے یوں تلک جیسے انقلابیوں کو ٹریڈ یونین تحریک کی بنیاد رکھنے میں کامیابی ہوئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں گرچہ انگریز حکومت بظاہر عروج پر تھی مگر سٹریٹ پاور منظم ہو رہی تھی، مزدوروں کی ہر تالیں اور مظاہرے عروج پر تھے ظلم اور نا انصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہو رہی تھی اس ساری صورت حال کے حوالے سہیل بخاری پریم چند کے نقطۂ نظر کو کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

> "پریم چند کا دائرہ عمل دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے سماج و سیاست اور دونوں میں اُن کا نقطۂ نظر اصلاحی رہتا ہے۔ سیاست میں وہ زمیندار اور کاشت کار، مہاجن اور کسان اور کارخانے دار اور مزدوروں کا تصادم دکھاتے ہیں۔ سرمایہ کاروں اور جاگیرداروں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں۔ غریبوں، دکھیوں، کسانوں، مزدوروں اور ادنیٰ طبقے کے انسانوں سے ہمدردی جتاتے ہیں وہ دولت کی غلط تقسیم سے نالاں ہیں لیکن اشتراکی نہیں ہیں اُن کا نقطۂ نظر محض قوم پرستی اور حب الوطنی ہے وہ ہندوستان کے شاندار ماضی پر نازاں ہیں اور ہندوستان پر غیر ملکی تسلط کو پسند نہیں کرتے اس معاملے میں اُن کے خیالات انڈین نیشنل کانگریس سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔" [۱]

پریم چند کے وقت گاندھی کا ہندوستانی عوام پر بہت اثر تھا پریم چند کا خیال تھا کہ گاندھی میں وہ سب کچھ ہے جو عام سیاست دان میں نہیں تھا وہ وطن کے لیے کچھ کر کے دکھا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا وطن آزاد ہو۔ وطن ترقی کر کے آگے بڑھے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ سماجی برائیاں دور ہوں یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں اور ناولوں میں کاندھیائی فکر نمایاں نظر آتی ہے۔

سیاسی سطح پر جو ابتری پھیل رہی ہے پریم چند اس کو بہت گہرائی سے سمجھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنی تحریر کے بل بوتے پر انقلاب برپا کریں۔ قلم کی طاقت دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے انہیں نظریات کا عکس ہم ان کی تحریروں میں محسوس کر سکتے ہیں۔

جنگِ عظیم اوّل کے دوران ہندوستان میں صنعتی ترقی کا نیا دور شروع ہو چکا تھا ریلوے کی توسیع اور نئے کارخانوں کا قیام عمل میں آچکا تھا ہندوستانی کارخانہ داروں کا یہ گروہ برطانوی کمپنی کے دوش بدوش ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ میں اپنا حصہ ڈال رہا تھا۔ شہری زندگی میں ہلچل دیکھنے میں آئی، مزدوروں کی کوئی باقاعدہ یونین تو عمل نہ آئی تھی لیکن مزدور اور ادیب اس میں اپنا مقدور بھر حصہ ڈال رہے تھے پریم چند کی اس سلسلے میں کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''۱۹۱۴ء کے بعد صرف انہیں کی کوششوں سے ہندوستان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں انہوں نے پہلی بار ہندوستان کے درماندہ اور کچلے ہوئے طبقوں، کسانوں، مزدوروں کو اپنی قوت کا احساس دلایا انہیں حاکم طبقوں کے خلاف (پُر امن طور پر سہی) جنگ کرنا سکھایا ان میں خود اعتمادی اور بیداری کا احساس پیدا کیا انہوں نے سامراجی حکومتوں کے مظالم اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف آواز بلند کی۔'' [۲]

جرمنی اور جاپان سلطنت برطانیہ کے لئے بیرونی خطرات تھے یہ دونوں ملک نئے نئے سامراجی بنے تھے اور برطانیہ سے نو آبادیاں اور منڈیاں چھیننے کی تگ ودو میں تھے۔ سامراجیوں کی یہی ملک ہوس گیری ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم میں بدل گئی۔ تینوں سامراجی برصغیر کے غلاموں کو آزادی کا جھانسہ دینے لگے تاہم برطانیہ سرخرو ہوا غلاموں نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور دوسری طرف رولٹ ایکٹ جیسا ظالم قانون ہندوستانیوں کے گلے کا طوق بنا جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر نے لاکھوں جانوں کے روند ڈالا۔

محمد علی صدیقی نے اپنی کتاب ''نشانات'' میں اِس واقعے کا ذکر یوں کیا ہے:

> ''پریم چند جلیانوالہ باغ کے واقعہ کے بعد اس قطعی نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اپنے معاشرے کی روحانی اور فکری بالیدگی غلامی کے ماحول میں ممکن نہیں انہوں نے

> درست ہی سوچا تھا کہ عوام کی غربت ان کے سماجی رستوں میں نا آسودگیوں اور اقوام عالم پر برصغیر کی فکری بالا دستی کے لئے تمام کوششیں اُس وقت تک بے کار ثابت ہونگی جب تک آزادی میسر نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے حصول آزادی کے لئے ادب کے سماجی منصب کا از سر نو تعین کیا تا کہ ادب آزادی کی جنگ میں ہراوّل دستے کا کام دے سکے۔"[۳]

فرقہ وارانہ فسادات، چھوت چھات کا نظام، کسان مزدور کی حالت، شہری حکومت، مذہبی منافرت، سرمایہ دارانہ تسلط کو پریم چند نے بڑی جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ برصغیر کے لیے وہ آزادی کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور آزادی کی اس خواہش کو انہوں نے اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔

پریم چند نے ناولوں میں صنعتی انسان کا انسان کش کردار اور غیر ملکی سامراج کے ناجائز قبضہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کا عکس دکھایا ہے۔ پریم چند کے یہاں پسماندہ کسان کی حالت زار اور مزدوروں کے ساتھ ہونے والے مظالم کا ذکر موجود ہے۔

"گوشہ عافیت" میں پریم چند نے پہلی بار شمالی ہند کے غریب کسان کو اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ ناول کا ہیرو بلراج زمینداروں اور ان کے حواریوں سے ٹکر لینے والا ایک باغی نوجوان ہے۔ گیان شنکر ایک روایتی قسم کا جابر اور لالچی زمیندار ہے۔ اسی جاگیر دارانہ لوٹ گھسوٹ کے سہارے پلنے والے غوث خان جیسے مفاد پرست ہیں علاوہ ازیں کسانوں کے دکھ درد کو سمجھنے والے اور ہمدردی رکھنے والے متوسط طبقے کے کچھ افراد مثلاً جوالا سنگھ، دیا شنکر اور ڈاکٹر عرفان علی وغیرہ بھی ہیں۔ "گوشہ عافیت" جاگیر داری نظام کے خلاف کسانوں کی بیداری کی کہانی ہے۔ اس ناول کے ذریعے پریم چند نے آزادی سے پہلے ہندوستانی کسانوں پر ہونے والے اس ظلم و ستم کی نشاندہی کی ہے۔ جس کے تحت کسانوں کی آدھی فصل زمینداروں اور اس کے گماشتے لے جاتے ہیں۔

'گوشہ عافیت' پریم چند کا پہلا ناول ہے جس میں ہندوستان کے محنت کش طبقے کی زندگی اور اس کے بنیادی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ضخیم ناول میں مصنف نے ہندوستان کے سیاسی نظام کے عوامل کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے جب یہ ناول لکھا گیا تو ہندوستان کی سیاسی زندگی میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے پر جو بھی تحریکیں اُٹھیں ان میں عوامی نمائندگی موجود تھی کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کی بات کی گئی انقلاب روس اور محنت کشوں کی حکومت کے قیام نے ساری دُنیا کے مزدوروں اور کسانوں کو اپنی طاقت کا احساس دلایا تھا۔ ہندوستان کے قومی رہنما بھی بدلتے حالات سے بے خبر نہ تھے۔

ترکِ موالات کی تحریک نے ہندوستان میں قومی آزادی کا وہ تصور دیا جو پہلے نہیں تھا عدم تعاون کی تحریک کھل کر سامراجی حکومت کے خلاف لڑی گئی۔ پریم چند بھی قومی بیداری کی اس تحریک سے متاثر ہوئے گاندھی کی شخصیت مکمل طور پر ان میں پیوسط ہو گئی۔ ''گوشۂ عافیت'' کا ایک کردار سور داس گاندھی وابستگی کی جامع تصویر نظر آتا ہے۔

'نرملا' میں سیاسی مسائل سے گریز کا ایک سبب یہ ہے کہ اس زمانے کی سیاسی فضا جمود کی حامل تھی۔ فروری ۱۹۲۲ء میں مہاتما گاندھی نے ملک کی تمام سیاسی سرگرمیوں کو نامعلوم مدت کے لئے ملتوی کر دیا۔ عدم تعاون، ستیہ گرہ اور بائیکاٹ کی تحریک نے ہندوستانیوں کے دلوں میں سوراج حاصل کرنے کی جو اُمنگ پیدا کی تھی وہ اس فیصلے کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے مردہ ہو گئی۔

'پردہ مجاز' میں وہ ہندوستان نظر آتا ہے جو بائیکاٹ، عدم تعاون اور سوراج کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ پریم چند نے اس ناول میں اپنے عہد کے سیاسی کردار کی روح کو جذب کر لیا ہے یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس کے رہنماؤں میں باہمی اختلافات پیدا ہو گئے تھے سوراجیوں کی ایک علیحدہ پارٹی وجود میں آچکی تھی جو حکومت سے عدم تعاون کی بجائے تعاون پر زور دے رہی تھی اور اس اختلاف کی بنا پر سارے ہندوستان میں سیاسی جدوجہد کی تحریک کمزور پڑ گئی۔ کے۔ کے۔ کھلر نے اس زمانے کے سیاسی نقشے کو یوں قلم بند کیا ہے:

> ''پردہ مجاز' جس زمانے میں لکھا گیا اسی زمانے میں کانگریس کے رہنما آپسی اختلافات میں اُلجھ گئے تھے اور اِن اختلافات نے اصل مسئلے کی طرف توجہ ہٹا دی تھی جس کے نتیجے میں تحریک آزادی جیسے بنیادی مسئلے کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔''[۴]

'غبن' میں پریم چند نے بیدار ہوتے ہوئے مزدوروں کے سیاسی شعور کی ایک جھلک پیش کی ہے۔ قمر رئیس پریم چند کے ناول 'غبن' کے سیاسی عہد اور قومی تحریکوں پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پریم چند نے اس ناول میں اپنے عہد کے کچھ اور معاشرتی اور سیاسی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً بڑھاپے کی شادی، جائیداد سے ہندو عورت کی محرومی، عصمت فروشی، رشوت ستانی اور پولیس کے بہیمانہ مظالم، اس کے ساتھ ستیہ گری اور سودیشی جیسی قومی تحریکوں کے بارے میں بھی مصنف نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔'' [۵]

''بازار حسن'' جب تحریر کیا گیا اس عرصے میں ہندوستان کی سیاسی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں بہت سی نئی قوتیں اور نئے مسائل جنم لے چکے تھے۔ تقسیم بنگال کی تحریک نے ملکی سیاست کو نیا

موڑ فراہم کیا۔ بائیکاٹ اور سودیشی کی کامیابی سے سیاسی جدوجہد کے کچھ نئے راستے کھل گئے تھے پڑھے لکھے طبقے کے دانشور اور تعلیم یافتہ افراد سیاسی مسائل پر وسعتِ نظر کے ساتھ سوچ رہے تھے۔

ناول میں میونسپلٹی کی سیاست اور طوائفوں کو شہر سے بدر کرنے کی تحریک کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اس ناول میں پریم چند نے خاص طبقے کی خود غرضانہ سیاست پر بھرپور وار کیے ہیں اسی کی ایک تصویر ناول سے ملاحظہ کریں:

> ''بٹھل داس اور پدم سنگھ کی متحدہ کوششوں سے دال منڈی ایک ہی دن میں خالی ہو گئی میونسپل بورڈ کے مخالف ممبر بھی آخر کار پدم سنگھ سے متفق ہو گئے تھے۔ میونسپل بورڈ کی طرف سے علی پور کے قریب طوائفوں کے مکانات بنوا دیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے سب سے بااثر ممبر حاجی ہاشم وہاں مسجد بنوا دیتے ہیں اور سیٹھ چمن لال مندر بنوا دیتے ہیں۔ طوائفوں کا جلسہ ہوتا ہے وہ تقریریں کرتی ہیں اپنی پچھلی زندگی پر یشمان ہوتی ہیں اور نیک راستہ پر چلنے کا عزم کرتی ہیں ان کی لڑکیوں کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کر دیا جاتا ہے بھلا سمن سے بہتر اس کا نگران کون ہو سکتا تھا سنگیت پاٹھ شالا قائم ہو جاتی ہے گانا سکھانے والا بھی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے وہ یہ گیت سکھاتا ہے: ''بھارت کو اپناؤ''۔'' [۶]

پروفیسر عبدالسلام ''بازار حسن'' پر بات کرتے لکھتے ہیں کہ: ''اس میں ملکی سیاست کی جھلک تو برائے نام ہے مگر سیاسی افراد اپنے سیاسی کردار کی جھلک ضرور دکھا دیتے ہیں۔'' [۷]

'گئودان' پریم چند کا آخری اُردو ناول ہے یہ ناول ۱۹۳۵ء کے اوائل میں مکمل ہوا اس ناول میں پریم چند کی حقیقت نگاری کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ کے۔ کے۔ کھلر پریم چند کی ناول نگاری پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''پریم چند اپنے عہد کے سب سے بڑے حقیقت نگار اور اس لحاظ سے اپنے عہد کی زندگی کے سب سے بڑے ترجمان کہے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی ابتدائی تین سے ساڑھے تین دہائیوں کے سیاسی، سماجی اور معاشی پس منظر کے بغیر اُن کے ناولوں کے ارتقا کو سمجھنا از حد دشوار ہی نہیں بلکہ نامناسب ہو گا کیونکہ ہندوستانی تاریخ کا دھارا جن سیاسی، سماجی، معاشی تغیرات سے گزرا ہے ان کا عکس پریم کے ناولوں میں واضح دکھائی پڑتا ہے۔'' [۸]

''گئودان'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے ان کا پہلا ناول ہے جس میں انہوں نے مرکزی کردار ایک غریب، جاہل، مفلوک الحال کسان کو موضوع بنایا ہے۔ اس ناول کے صفحوں میں اس دور کی پوری

تاریخ سمٹ آئی ہے۔ چند کرداروں کی وساطت سے ہم اس دور کی اجتماعی زندگی کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہوریؔ اس دور کے کسان کی زندگی کو پیش کرتا ہے۔ جو ذلت اور بے آبروئی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ نوکھے رام، داتا دین، جھینگری سنگھ سود خور مہاجنوں کے طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی بدولت پورا معاشرہ قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ رائے بہادر جاگیر دار اور زمیندار طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ جو کسان کا استحصال کر رہا ہے۔ کسان زمین کی کوکھ سے غلہ پیدا کرتا تھا اور خود غلے سے محروم رہتا تھا۔ گوبر ایک طرف دھنیا کے ساتھ مل کر کسان طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ جو باغی دل و دماغ لے کر دیہات میں ابھر رہا ہے تو دوسری طرف وہ شہر میں مل مزدوروں کے ساتھ مل کر اس طبقے کے ساتھ حق رفاقت ادا کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جو سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے۔ پریم چند نے گاؤں اور شہری زندگی کا تعلق گوبر اور رائے بہادر کے کرداروں کے ذریعے پیدا کیا ہے۔ انہوں نے جہاں ایک طرف گاؤں میں زمیندار اس کے کارندوں، حکومت کے کل پرزوں، مذہب کے اجارہ داروں اور سود خور مہاجنوں کے ہاتھوں کسان کے استحصال کی سچی اور بے لاگ تصویر کھینچی ہے تو وہاں دوسری طرف شہر میں سامراجی اقدار کی خباثتوں، سرمایہ دار اور درمیانی طبقے کی استحصالی کارروائیوں، رشوت ستانی، لوٹ کھسوٹ، قانون پر سرمائے کی بالا دستی، مزدوروں اور کارخانہ دار کی کش مکش، صنعتی دور اور اس کے نتیجے میں ابھرتے ہوئے سماجی تضاد کو بھی پیش کیا ہے۔

پریم چند نے جب 'گئودان' لکھنا شروع کیا تو ملک کی مجموعی سیاسی فضا پر خوف طاری تھا۔ سول نافرمانی کی تحریک نیم جان ہو چکی تھی اس وقت ملک میں سب سے بُری حالت کسانوں کی تھی نہ صرف یوپی بلکہ تمام ہندوستان میں وہ لگان بندی کے جرم میں حکومت کے معتوب تھے اور کانگریس، مہاتما گاندھی کی قیادت میں سیاسی تحریک کو معطل کر کے اُن کی حالت سے بالکل بیگانہ ہو گئی تھی۔ پریم چند نے خود دیہاتوں میں گھوم پھر کر کسان کی حالت کو دیکھا پھر اس تحریک کے زمانے میں انہوں نے دیکھا کہ زمیندار اور ملکی سرمایہ دار دوغلی چال چل رہے ہیں۔ کے۔ کے۔ کھلر سرمایہ داروں کے مظالم کے خلاف پریم چند کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''گئودان' ایک گہرا ادب ہے کیونکہ وہ عوام کے نزدیک ہے وہ انسانی لوٹ کھسوٹ کے ان تمام طریقوں کو فنا کرنا چاہتا ہے جو سرمایہ داری کی جڑ ہیں۔ 'گئودان' اپنے وقت کے نظام کے خلاف ایک ذہنی بغاوت تھی 'گئودان' نے اُردو ناول کو ایسی وسعت سے نوازا جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ پریم چند نے انگریز کو للکارا اور اسے ہندوستانی تہذیب کا گلہ گھوٹنے نہیں دیا۔'' ۹

''گئودان'' کے ہوری پر عرصہ حیات روز بروز تنگ ہوتا جارہا ہے۔ زمیندار، ساہوکار، پٹواری، سرمایہ دار اس کے لیے ڈراؤنا خواب بن گئے ہیں۔ ہندوستان کا سیاسی نظام بے بسی کے تصویر بنا ہوا ہے۔

''گئودان'' کا کینوس پوری زندگی پر پھیلا ہے۔ شہر، دیہات، کھیت، کارخانے، مزدور، کسان، زمیندار، اچھوت، برہمن، ہندو، مسلمان کون سا ایسا معاشرتی فرد ہے جس کی ترجمانی یہاں موجود نہ ہو۔ ساہوکار کس طرح کسان کا خون چوس رہا ہے اس کی ایک تصویر 'گئودان' میں دیکھی جاسکتی ہے:

''یہ تو پانچ ہی ہیں مالک
پانچ نہیں دس ہیں گھر جا کر گننا
نہیں سرکار پانچ ہیں
ایک روپیہ نجرانے کا ہوا کہ نہیں
ایک لکھائی کا
ایک کاغذ (کاگد) کا
ایک دستوری کا
ایک سود کا
پانچ نقد دس ہوئے کہ نہیں
ہاں سرکار! اب یہ پانچوں بھی میری طرف سے رکھ لیجئے
ایک روپیہ چھوٹی ٹھکرائن کا نجرانہ اور ایک روپیہ بڑی ٹھکرائن کا
رہا ایک روپیہ سو وہ آپ کے کریا کرم کے لئے''[۱۰]

''گئودان'' میں کسانوں کی زندگی اور ان کے گوناگوں مسائل کو ایک حقیقت پسند فنکار کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں کسانوں کی بڑھتی ہوئی تباہ حالی میں صرف سیلاب اور وبائیں ہی نہیں بلکہ زمیندار، ساہوکار، برہمن، تھانیدار اور پٹواری کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے۔ اس ناول کے سارے کردار سیاسی بصیرت سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ ''گئودان'' کے ایک کردار دھنیا کی سیاسی بصیرت دیکھئے:

''میں سب جانتی ہوں یہاں تو حصہ بانٹ ہونے والا تھا سب ہی کے منہ میٹھے ہوتے، یہ ہتھیارے گاؤں کے مکھیا ہیں گریبوں کا خون چوسنے والے، سود بیاج، ڈیڑھی سوائی، نجر بھینٹ، گھوس، رشوت جیسے ہو گریبوں کو لوٹو اِس پر سوراج چاہئے۔ جیل سے سوراج نہ ملے گا سوراج ملے گا دھرم سے نیاؤ سے۔'' [۱۱]

''میدانِ عمل'' میں بیسویں ویں صدی کے آغاز میں پیدا ہونے والے مسائل کو بڑی ہی جامعیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس ناول میں پریم چند نے ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند

کرتے ہوئے خیر و شر اور حق و باطل کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی ہے وہ سیاسی تشدد اور عوام کے حقوق کی پائمالی کا ذکر کرتے ہیں۔ ''میدانِ عمل'' میں انہوں نے ظلم کا پردہ بے رحمی سے چاک کرتے ہوئے خود داری اور مساوات کا درس دیا ہے۔ ''میدانِ عمل'' میں سیاسی اور سماجی زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے پریم چند نے امر کانت، سمر کانت، سگھدا اور سلیم کے علاوہ دیگر کرداروں کے ذریعے اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔ ''میدانِ عمل'' کا ہیرو امر کانت پریم چند کا محبوب کردار ہے۔ پورے ناول میں یہ کردار اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ امر کانت ایک سود خور مہاجن کا بیٹا جس طرح نیکی کی علامت بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے پریم چند کے فکری ارتقاء کے حقیقت پسندانہ رویوں کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اپنے لالچی باپ سے بھی نالاں رہتا ہے اور اپنی بیوی سے بھی جو غرور اور تمکنت کا پیکر تھی۔ وہ نچلے طبقے کی بستی میں رہتا ہے اور ان کے دکھ درد سمجھتا ہے۔ مزدوروں، محنت کشوں اور کسانوں کی بے بسی دیکھ کر اس کا جذبہ خدمت اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ پریم چند نے اپنے نمائندہ کرداروں کے ذریعے سیاست اور سماج کے تخریبی عناصر کو ملیامیٹ کر دیا۔ انہوں نے ایک سچے مصلح کی حیثیت سے پسماندہ، مظلوم اور مفلوک الحال عوام کو اس کردار کے ذریعے روشن پیغام دیا ہے۔

''میدانِ عمل'' جس دور میں مکمل ہوا سیاسی اعتبار سے یہ انتہائی ہنگامہ خیز دور تھا۔ عدم تعاون بائیکاٹ، سول نافرمانی کی تحریکیں اپنے شباب پر تھیں گانگریس پہلی بار کامل آزادی کی بات کر رہی تھی لبرل ذہنیت رکھنے والے قوم پرستوں کا یہ خیال تھا کہ غیر ملکی حکومت بتدریج اور پُر امن طریقے پر ہندوستان کو آزادی دے دے گئی اسی زمانے میں مزدوروں اور کسانوں کی تنظیم پر توجہ دی گئی یہ وہ زمانہ تھا جب تمام ہندوستان پر خاص طور پر یو۔ پی کے کسانوں میں بڑی بے چینی پھیل چکی تھی۔ اسلوب احمد انصاری نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''اس پورے ناول کا پس منظر آزادی سے پہلے کا ہندوستان ہے جو انگریزوں کی استعماریت اور اُس کے خلاف ہندوستانیوں کا پُر جوش احتجاج کا زمانہ ہے یہاں اُس طبقہ داری عدم یکسانیت اور استحصال کی تمام ناجائز شکلیں خاص طور سے نمایاں ہیں یہاں انگریز حکومت کا ایک معمولی سا عہدے دار بھی کسی بھی ہندوستانی کو اُس کے زندہ رہنے کے حق سے باآسانی محروم کر سکتا ہے اس کی جان اتنی ارزاں ہے کہ اُس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔'' ۱۲

اس ناول کا انجام سمجھوتے پر ہوتا ہے جو گاندھیاتی فلسفے اور متوسط طبقے کے طرزِ فکر کا نمایاں وصف ہے۔ پروفیسر عبدالسلام اس عہد کی سیاست پر بات کرتے ہیں:

"میدان عمل" کی تصنیف کا زمانہ بھی سیاسیات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے سول نافرمانی کی تحریک، آزادئ کامل کا مطالبہ، گاندھی جی کی نرم پالیسی سے نوجوانوں کا اختلاف غرض یہ عجیب ہنگامہ خیز زمانہ تھا کانگریس نے اس زمانے میں مزدوروں اور کسانوں کو بھی جدوجہد میں شریک کرنے کی کوشش تیز کر دی تھیں۔"[۱۳]

امر کانت، لالہ سمر کانت، سکھدا، شانتی کمار اس ناول کے اہم کردار ہیں۔ انہیں کرداروں کی مدد سے پریم چند نے اس عہد کی سیاست کی سچی تصویر کشی کی ہے۔ امر کانت کی سیاسی اپج کے حوالے سے بات کرتے اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

"روزناموں کے مطالعے سے امر کانت میں سیاسی بیداری پیدا ہوئے لگی، اہلِ وطن کے ساتھ حکام کی زیادتیاں دیکھ کر اسے طیش آجاتا ہے جو ادارے اصلاح قوم کے داعی تھے ان سے اُسے ہمدردی ہو گئی وہ اپنے شہر کی کانگریس کمیٹی کا ممبر بن گیا اور ان کے جلسوں میں شریک ہونے لگا۔" [۱۴]

پریم چند پسماندہ طبقے کا نمائندہ ہے۔ وہ ارزل نسلوں کو روشنی کی سمت بلاتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلوب احمد انصاری رقم طراز ہیں:

"یہ بہر حال ماننا پڑے گا کہ اچھوتوں کے سلسلے میں جس رویے کا اظہار پریم چند کی طرف سے کیا گیا ہے اُسی میں اس رویے کی نسبت زیادہ کھرا پن Genuiness اور زیادہ فراخ دلی ہے جو اُن کے زمانے کے ممتاز سیاسی رہنما مہاتما گاندھی کی طرف سے کیا گیا تھا جس کی روحانیت میں بھی کسی سیاسی شبہے کی گنجائش نہیں۔" [۱۵]

غیر ملکی سامراج اور غیر ملکی سرمایہ دار کے عروج اور مزدوروں اور کسان کی کسمپرسی اور بدحالی کو پریم چند نے بے نقاب کیا ہے۔ بقول قمر رئیس:

"میدانِ عمل میں پریم چند پر یہ حقیقت روشن ہو چکی تھی کہ محنت کش عوام میں جب تک سامراجی حکومت سے براہِ راست ٹکر لینے کا حوصلہ پیدا نہ ہو گا۔ ہندوستان غلامی اور اس کی لعنتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ "میدانِ عمل" پریم چند کے اِسی ایقان کا آئینہ ہے۔" [۱۶]

حوالہ جات:

۱۔ سہیل بخاری، اُردو ناول نگاری، (دہلی: الحمد پبلشرز، ۱۹۷۲ء)، ص:۱۰۴

۲۔ مشرف احمد (مرتبہ)، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء)، ص:۲۵۵

۳۔ محمد علی صدیقی، نشانات، (علی گڑھ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۷ء)، ص:۱۶۲

۴۔ کھلر، کے۔ کے، اُردو ناول کا نگار خانہ، (دہلی: سیمانت پرکاش، ۱۹۸۳ء)، ص:۱۵۳

۵۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۵ء)، ص:۲۶۰۔۲۶۱

۶۔ پریم چند، بازارِ حسن، (لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۷ء)، ص:۳۰۰

۷۔ عبدالسلام، اُردو ناول بیسویں صدی میں، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۷ء)، ص:۲۰۱

۸۔ کھلر، کے۔ کے، اُردو ناول کا نگار خانہ، ص:۴۹

۹۔ ایضاً، ص:۴۳۔۴۴

۱۰۔ پریم چند، گئودان، (لاہور: پروگیسو بکس، ۱۹۹۲ء)، ص:۲۳۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۸۷

۱۲۔ اسلوب احمد انصاری، اُردو کے پندرہ ناول، (علی گڑھ: یونیورسل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء)، ص: ۱۲۸

۱۳۔ عبدالسلام، اُردو ناول بیسویں صدی میں، ص:۲۱۸

۱۴۔ اسلوب احمد انصاری، اُردو کے پندرہ ناول، ص:۱۲۸

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۳۰

۱۶۔ کھلر، کے۔ کے، اُردو ناول کا نگار خانہ، ص:۵۴